ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

بلقیس اختر
اسکالر پی ایچ۔ڈی، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر طاہرہ اقبال
پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

ایرانی تہذیب وثقافت کے پاکستانی اردوناول میں مظاہر
(قلعہ فراموشی اور دشت سوس کے حوالے سے)

Bilqees Akhtar
Ph. D Scholar, Department of Urdu, Govt. College Women University Faisalabad.
Dr. Tahira Iqbal
Professor, Department of Urdu, Govt. College Women University Faisalabad.

Manifestations of Iranian Civilization and Culture in Pakistani Urdu Novel (With reference to the Qila Framoshi and Dasht e Soos)

Iran is a center of civilization since ancient times. Many regions of the world are greatly influenced by Persian culture and civilization. Persian knowledge, art, philosophy and literature are specifically followed. Many genres of Persian had a great impact on Urdu literature. Being situated in neighbourhood, Urdu novels have contents pertaining Persian culture and civilization. Jamila Hashmi in "Dasht. E. soos" and Fahmida Riaz in "Qila framoshi" have presented Persian civilization. Focusing the life of a historic character in "dasht. E. soos", there is a narration of Islamic mysticism, Persian living styles, habits and beliefs of Iranians. While Fahmida Riaz in "Qila framoshi" under the cover of the initial socialist revolutionary "Mazdac", introduces the Iran of that time when religions and civilizations were under evolutionary stages in Iran. She presents parsi religion, social mentalities, public beliefs and the occupation of

society by parsi leaders in addition to Persian civilization of that era from historic point of view.
Key Words: *Iran, Civilization, Culture, Ancient, Persian, Urdu Novel, Historic.*

ایران، تہذیب و تمدن کا قدیم گہوارہ ہے یہ خطہ علم وہنر اور شہنشاہیت کے فروغ کا باعث رہا ہے۔ فاتحین کی معرکہ آرائیوں کے ساتھ دانش علم وہنر بھی روز افزوں رہے اور ایران میں تاحد نظر تہذیب و تمدن کے چراغ فروزاں رہے. ابھی آغاز تہذیب کا دھندلکا تھا کہ ایران میں آگ کا شعلہ نظر آیا۔ یہ دریافت انسانی زندگی کے مظاہر کو تب و تاب اور حرارت و گداز سے خامی و پختگی کے تصور سے آشنا کر گئی۔ اسی کی وجہ سے نور و ظلمت کا تضاد منصہء شہود پر آیا۔ جو آگے چل کر یزداں واہرمن کے تصور کی آئینہ داری کرتا رہا۔ دنیا ابھی اپنی وسعت سے پوری طرح خود بھی آشنا نہیں ہوئی تھی کہ جام جمشید میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا تھا۔ انسانی زندگی کا کاروان ابھی بھٹک رہا تھا اور راستے کی ٹھوکروں کی زد پہ تھا کہ ایران میں پتھریلے راستوں پر گل لالہ کا ریشم بچھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

ایرانی تہذیب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو متاثر کیا ہے اور اپنے اثرات کو اس طرح پھیلایا ہے کہ دور دراز تک کے علاقے اس کی روشنی سے چمک اٹھے ہیں۔ صناعی اور ہنر مندی کی تفصیلات سے قطع نظر کر کے بھی اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ شعر و ادب اور فکر و فلسفے کی حد تک ایشیا اور یورپ، دونوں اس کی فیض بخشی سے مستفیض ہوئے ہیں۔ سرزمین ایران زمانہ قدیم سے علم و فن کا گہوارہ رہی اور ایرانی ادبیات کی طاقتور روایتوں نے ترکی ہندوستان، افغانستان اور اس کے اطراف کو بہت متاثر کیا۔ یہاں تک کہ اردو کی بہت سی اصناف فارسی طرز پر وجود میں آئیں۔ اہل یورپ بھی رومی، فردوسی، حافظ اور خیام کے مداح ہیں۔ یہ چیزیں ایرانی تہذیب کو خاص شرف بخشتی ہیں۔ ایرانی تہذیب و تمدن نے دنیا کو متاثر کیا اور ایک طاقتور تہذیب کے طور پر ابھری جو بہت سے علاقوں پر اثر انداز ہو گئی۔

> "اور ان کی تہذیب ایشیا کے ہر ملک میں قابل تقلید اور ان کے اخلاق ہر ایشیائی قوم کے لیے قابل اقتداء سمجھے جاتے تھے"(۱)

یہ ملک ہزاروں سال سے دانش و تہذیب کا چراغ روشن کیے ہوئے ہے۔ ہر چند کہ ایران صدیوں تک اپنی بہادری اور جواں مردی اور جنگ کی وجہ سے مشہور رہا لیکن اس کی شہرت کی اصل وجہ اس کی تہذیب و ثقافت اور علم و فن تھا۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

پاکستانی اردو ناول کا اگر جائزہ لیا جائے تو جمیلہ ہاشمی اور فہمیدہ ریاض کے ناولوں میں ایرانی تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے ۔ فہمیدہ ریاض کا ناول " قلعہ فراموشی" چوتھی صدی عیسوی میں ایرانی تاریخ اور تہذیب و ثقافت کا ترجمان ہے۔ یہ تاریخی ناول اولین سوشلسٹ انقلابی "مزدک" کی کہانی ہے۔ جو اس دور کی یاد تازہ کرتی ہے جب تاریخ ما قبل تاریخ کے بطن سے تازہ تازہ پیدا ہوئی تھی اور جب مذاہب اور تہذیبیں ارتقاء کے مدارج طے کر رہے تھے۔ یہ ان شہروں کے تمدن سے آشنا کرتا ہے جو اب صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ ان دریاؤں کی روانی دکھاتا ہے جو اپنا رخ بدل چکے ہیں۔ ناول کا انتساب فہمیدہ ریاض دنیا بھر میں رہنے والے پارسیوں کے نام کرتی ہیں۔

پارسی مذہب ہزاروں برس کی قدامت پر مشتمل ہے ان کی مذہبی کتاب کا نام اوستا ہے "مزدک" پارسی مذہب کا ایک موبد تھا۔ وہ جس دور میں پیدا ہوا تھا اس وقت ایرانی سلطنت پر کوئی ساڑھے چار سو برس سے، جو ایرانی قبیلہ حکمران تھا اسے ساسانی کہا جاتا تھا۔ تاریخ کی اس عظیم الشان سلطنت کی سرحدیں ایک طرف ہندوستان تک دوسری طرف عرب اور رومی سلطنتوں تک وسیع تھیں۔ "یروشلم" بھی ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا جہاں پر یہودی آبادیاں ساسانیوں سے بھی قبل ایرانی سلطنت میں آکر بسی ہوئی تھیں۔ مزدک دور میں ایرانی سلطنت میں زرتشی مذہب رائج تھا۔ ناول زرتشی مذہب کے پیروکاروں اور موبدوں کے بارے میں بھی حقائق فراہم کرتا ہے۔

فہمیدہ ریاض نے قلعہ فراموشی اڑھائی برس کی تحقیق کے بعد لکھا۔ انہوں نے فردوسی کے شاہنامہ ، پارسیوں کی اوستا، بائبل، تاریخ طبری، ایران بعہد ساسانیاں از ڈاکٹر آرتھر کرسٹن سین، تاریخ یہود اور قدیم ہند کی تاریخ سے استفادہ کیا۔ مصنفہ نے ناول کا عنوان " قلعہ فراموشی" رکھا، جس کی تاریخی حیثیت کے متعلق فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

> " قدیم ایران میں صوبہ خوزستان میں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا نام "گیل گرد" تھا آرمینی زبان میں اسے اندمشن" کہا جاتا تھا وہاں ایک قسم کے سیاسی قیدیوں کو محبوس رکھا جاتا تھا۔ جن کو عوامی فکر اور یادداشت سے قطعی غائب کرنا مقصود ہو اس کو "انوش برد" بھی کہتے تھے۔ جس کے معنی قلعہ فراموشی کے ہیں اس لیے کہ جو لوگ وہاں قید ہوتے تھے ان کا نام لینا بلکہ خود قلعے کا نام لینا بھی ممنوع تھا۔"[۲]

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

ناول میں بامداد کے فرزند "مزدک" کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ دنیا کا اولین اشتراکی نظریات کا حامل شخص تھا جس سے وابستہ ہر نظریے اور ہر چیز کو بعد کے طاقتوروں نے بالکل مٹادیا تھا۔ تاریخ میں مزدک کا موہوم سا تذکرہ بھی منفی انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ فہمیدہ ریاض کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے اوراق میں چھپی ہوئی "مزدک" کے اشتراکی کارناموں کی سچائی کو قارئین تک پہنچایا ہے۔ اس بیانیے کا انجام مزدک کے سر قلم ہونے پر ہوتا ہے۔ مزدک کو "قلعہ فراموشی" میں سزائے موت دی گئی کیونکہ اس کے مخلفوں کے نزدیک، اس کا فتنہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ شاہراہوں سے گندگی اٹھانے والے بھی دوسروں کی ہم سری کے دعویدار ہونے لگے تھے۔

فہمیدہ ریاض کا یہ کارنامہ بھی ہے کہ انہوں نے چوتھی پانچویں صدی میں مروج ایرانی تہذیب و ثقافت کو دلچسپ حقائق کے ساتھ عیاں کیا ہے۔ ناول کا آغاز ہی شاہی تمدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ شاہی دربار کو سلطنت میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اور طیسفوں ساسانی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ شاہی محل کی وسیع و عریض دیواروں پر حریر ویرنیاں کے مرصع غلاف تھے۔ اس کے فرش دبیز قالینوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ بادشاہ کا جسم زریں قبا اور زیورات کی کثرت سے نظر نہیں آتا تھا۔ شاہی دربار کی ایک روایت چلی آرہی تھی کہ بادشاہ کسی بھی قسم کی جسمانی معذوری کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اسی روایت کی آڑ میں کئی شہزادے اندھے بنادیے جاتے تھے تاکہ وہ مستقبل میں تخت نہ سنبھال سکیں۔ ایرانی لوگوں میں بیشتر کاشتکاری سے وابستہ تھے۔ جس کا زیادہ تر انحصار بارش کے پانی پر تھا لیکن ایرانی سلطنت میں کسانوں کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ انکی خون پسینے کی کمائی سے معبدوں کے پجاری عیش کرتے تھے۔ وہ فاقہ کشی کی بدولت جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے سے بھی عاجز تھے۔ معبدوں پر چڑھاوے چڑھانا اور پجاریوں کو نذرانوں سے نوازنا ان پر فرض تھا۔ گویا یہ ان کی مذہبی روایت تھی جس کی پاسداری ہر صورت ضروری تھی، ورنہ وہ دین سے خارج سمجھے جاتے۔

ناول نگار نے معبدوں کی اس رسم کو "زوال" کی علامات کے طور پر دکھایا ہے اور "مزدک" جو اصلاح پسند تھا وہ اس رسم کے خاتمے کے لیے اور کسانوں کی بھلائی کے لیے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے۔

> "اور انہوں نے پوری زندگی محنت نہیں کی ہے یہ موبد اور امراء محنت کے معنی سے ناواقف ہیں۔ یہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے صرف عیش کرتے ہیں۔ ان کی بڑی سے بڑی کلفت شکار پر جانا ہے۔ جس میں جانور بھی غریب کسان اور چرواہے گھیر کر لاتے ہیں۔ ان کے رومن ساتھیوں کی پرخوری کی داستانیں یہاں تک مشہور ہیں وہ اتنا زیادہ کھاتے ہیں کہ پیٹ پھٹنے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

لگے اور پھر قے کرتے ہیں تا کہ پیٹ خالی ہو سکے اور دوبارہ لذیذ ترین طعام کھانے لگتے۔ ہیں وہ غلیظ ہیں اور یہ وزر گان بھی اور یہ پورے دریا سے دن رات نہاتے رہیں تب بھی پاک نہیں ہو سکتے۔"(۳)

ان پجاریوں اور وزر گاں کو عیش و عشرت فراہم کرنے والے بھوک کے مارے بچوں کو دفنانے پر مجبور تھے۔ مزدک اسی لیے ان لوگون کو ناپاک قرار دیتا ہے۔ غریبوں کے لیے موت بھی آسان نہیں تھی۔ زرتشی مذہب میں "لاش" کو پلید تصور کرتے تھے۔ مرگ کی رسومات، اجرتیں اور نذرانے غریبوں کی پہنچ سے بہت دور تھے۔ یہ لوگ بیل کے پیشاب کو مقدس مانتے تھے اور لاش کی پلیدگی دور کرنے کے لے اسے بیل کے پیشاب سے پاک کرنا بھی ایک اصراف کا کام تھا۔ اس سلطنت میں موت امیروں کے لیے ان کی دولت اور حیثیت کی نمائش کا بہترین موقع تھا لیکن قحط زدہ کسانوں کے لیے انہیں مزید سود میں جکڑنے کا نظام تھا۔

مصنفہ کے مطابق اس زرتشی ریاست میں سودی نظام معبد کے پجاریوں کی دین تھا۔

"یہ عجیب اتفاق تھا کہ قرض دینے اور اس پر منافہ لینے کا رواج آتش کدوں سے شروع ہوا تھا۔ موبدان کے پاس وزر گان کے گراں قدر نذرانوں اور غریب غربا کے چھوٹے موٹے چڑھاؤں سے اتنی دولت جمع ہو گئی تھی اور اتنا مال واسباب کہ انہوں نے اول اول تجارتی قافلوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں فروخت کرنے کے لیے اناج قرض دینا شروع کیا تھا۔ پھر چھوٹے دکانداروں اور مزدوروں کو اناج یا سکوں کے قرضہ جات کا آغاز ہوا۔ اس میں مقروض کا نفع نہ ہوتا تھا لیکن اضافی مال ان سے لینا ضروری تھا۔"(۴)

زرتشی موبدوں کی بدولت سود میں بہت اضافہ ہونے لگا اور یہ ان کے ثقافتی تعزز کا بھی پیمانہ بن گیا۔ اپنے معاشی معاملات کثیر پیمانے پر لے جانے کے لیے ان معبدوں نے رسم ورواج کو لوگوں پر سختی سے نافذ کیے رکھا اورانہیں مذہبی شناخت دے دی۔ وہ معبدوں میں مختلف تقریبات کا انعقاد کیے رکھتے۔ رقص وموسیقی کی محفلیں "اہورامزدا" کو خوش کرنے لیکن درحقیقت موبدوں کی دل لگی کے لیے ہوتیں۔ زرتشی ایرانی تہذیب میں عضو نرینہ کو بیکر اں کائنات کی پاک قوتوں کا امین مانا جاتا تھا۔

"ان کے لیے عضو نرینہ کائناتی قوتوں کا امین تھا۔ انسان میں الوہیت کا سراغ اور وہ سب اس کی بہت تکریم کرتے تھے اور کپاس بھری مخمل سے بنائی ہوئی اس کی شبیہوں سے اپنے کلاہ مزین کرنے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔"(۵)

ان لوگوں کے نزدیک عضو نرینہ "تجیر" کا بھی باعث تھا اس میں لذت کی طاقت اور تخلیق کی لذت ایک پراسرایت کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس سماج میں "مرد" کو اہمیت حاصل تھی۔ عورت کی سماجی حیثیت ایک غلام کی مانند تھی۔ عورتوں کو خریدا بھی جاتا تھا اور بوقت ضرورت کسی دوست یار شتے دار کو عاریتاً بھی دی جاسکتی تھی، یوں اس کلچر میں ایک عورت کے بیک وقت کئی شوہر ہوتے تھے لیکن یہ ان لوگوں کے لیے قابلِ قبول صورتحال تھی۔ ایسی خدمات پر مامور عورت کے لئے "زن چنگاری" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ فہمیدہ ریاض ایرانی تہذیب میں رائج علوم کو بھی متعارف کرواتی ہیں۔ یہ لوگ علم نجوم پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ علم نجوم سے وابستہ لوگ مختلف درجات پر متعین ہوتے تھے۔ ان میں سب سے بلند درجے والے کو "نجومی اعظم" کا خطاب دیا جاتا تھا۔ یہ خوبصورت لباس زیب تن کرتا اور شہنشاہوں، وزیروں کا مقرب خاص ہوتا تھا۔

ایرانی لوگ شعر وشاعری کے بھی دلدادہ تھے۔ ایرانی ثقافت میں شاعری ایک تہذیبی قدر کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ سخن سازی، اس (Cultural Space) ثقافتی منطقے میں ذہانت وذکاوت اور نکتہ فہمی کی بھی علامت تھی۔ ایرانیوں نے لکھنے پڑھنے سے بھی سروکار ضرور قائم کیا ہوا تھا۔ سلطنت میں کتابت بطور پیشہ رائج تھی۔ کاتبوں کو اہم مقام حاصل تھا۔ سلطنت کے تمام احکامات کاتبین مختلف اشیاء پر رقم کرتے تھے جن میں پتھر، چھالیں کھالیں اور کاغذ وغیرہ شامل تھا۔

تاریخی ناولوں کی صف میں شامل یہ ناول فہمیدہ ریاض کی محنت اور تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مصنفہ نے تخیل کی آمیزش کے ساتھ ایرانی تاریخ کے اصل حقائق بھی قارئین کے سامنے وا کیے ہیں اور نہایت باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے اس دور کی ایرانی تہذیب وثقافت کے حتی المقدر گوشوں سے پردے اٹھائے ہیں۔ وہ دلچسپ انداز سے قاری کو ماضی میں لے جاتی ہیں اور ایرانیوں کے شہنشاہوں اور عوام کا طرز زندگی، مذہب، رسومات، اقدار، اخلاقیات، طبقاتی تقسیم، بھوک، استحصال حتیٰ کہ کبر تک کو نہایت مشاقی سے کہانی کے قالب میں ڈھالتی چلی جاتی ہیں۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

جمیلہ ہاشمی کا ناول "دشت سوس "۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں تاریخ کے ایک اہم کردار حسین ابن منصور، جو کہ ایک صوفی تھے ان کی زندگی کو موضوع بنایا گیا۔ مصنفہ نے گہرے مطالعے اور زور تخیل سے ایران کی تہذیب و ثقافت میں تصوف کے اثرات کو پیش کیا ہے۔ چونکہ تصوف اسلامی ثقافت میں ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے اور ایرانی فضائیں اسلامی رنگ کی حامل ہونے کی وجہ سے "تصوف" کے زیر اثر تھیں۔

"تصوف" ایک ایسا علم ہے جو ذات باری تعالی کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے خالق اور مخلوق سے محبت پیدا کرتا ہے۔ یہ علم تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا بھی طریقہ سکھاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صبر و قناعت، سنجیدگی، خاموشی، توکل و فقر، ذکر و فکر، عبادت و ریاضت اور نیکی و اخلاق کا بھی پرچار کرتا ہے۔ "تصوف" کے معنی خواہشات نفس سے پاک ہونے اور "پشمینہ پوشی" کے بھی لیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ "صوفی" کو صوف یعنی اون یا پشم کا لباس پہننے والا گردانتے ہیں جبکہ بعض کے نزدیک "صوفی" "صفا" سے مشتق ہے جس کے معانی، صفائی نفس کے ہیں۔ ایک خیال کے مطابق "صوفی" کی نسبت "اصحاب الصفہ" سے ہے۔ جو دور نبویؐ میں اپنا سارا وقت عبادت و ریاضت اور حصول علم میں صرف کرتے تھے اور رسول خداؐ کی خاص شفقت کے حقدار ٹھہرتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک صوفی ازم ایک انداز فکر اور واضح طرز زندگی کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ تصوف ادب، فکر و فلسفہ اور شاعری میں بھی خصوصی توجہ کا مرکز بن چکا تھا خصوصاً ایران میں تصوف بہت زیادہ غلبہ پا چکا تھا اور لوگوں کا عام رجحان صوفی ازم کی طرف تھا۔

حسین ابن منصور، صوفی ازم کی راہ پر چلتے ہیں۔ ناول کے پہلے حصے میں ان کے روحانی سفر کی ابتدا ہوتی ہے، دوسرا حصہ بہت کٹھن ہے اور تیسرے میں انہیں پھانسی دے دی جاتی ہے۔

حسین ابن منصور بہت نرالی شان والے بزرگ تھے۔ ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ بیضا سے متصل دشت کا نام "سوس" ہے اس دشت کی ریت زرد سیاہ اور سرخ ہے۔ یہ دشت اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے پورے ناول پر حاوی ہے۔ دشت کی تشنگی حسین ابن منصور کی رومانی تشنگی کا استعارہ ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ حضرت عبداللہ تستریؒ کے درس میں شریک ہوئے پھر عثمان مکیؒ سے صحبت فیض حاصل کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک باندی "اغول" کے عشق میں گرفتار ہوئے جس نے آپ کے دل و دماغ اور روح کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ جس کی وجہ سے بہت سی صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ انمول حامد بن عباس کے قبضے میں چلی گئی، اس نے انمول سے نکاح کر کے بیوی جیسی شان دی لیکن جب بھی حسین ابن منصور کے سامنے انمول کا نام آیا ان کی حالت متغیر ہو گئی۔

حسین نے اقطع کی صاحبزادی سے اقطع کی بیماری کے باعث نکاح کیا۔ اس نکاح کی ایک وجہ اغول سے زینب کی آواز کی مشابہت تھی۔ حسین ابن منصور کا اپنے گھر والوں سے تعلق بھی اجبی سا رہتا ہے۔ حسین عبادت وریاضت اور حصول علم میں منہمک رہتا ہے اور اکثر حالت سفر میں رہتا ہے۔ بالآخر جب وہ "انا لحق" کا نعرہ لگاتا ہے تو حامد بن عباس اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے حسین بن منصور کو پھانسی پر چڑھا دیتا ہے۔ بعد میں ان کی لاش کو بھی جلا دیا جاتا ہے لیکن پہلے ان پر سنگ باری کی گئی پھر مثلہ کیا گیا۔

"مثلہ کیے جانے کی گھڑی تھی اس لیے کہ نوبت کی طرح اناالحق کی صدا جیسے کسی جاں بلب مریض کے آخری سانس کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔"(۶)

ان کے پاؤں کند چھری سے کاٹے گئے۔ پھر دیگر اعضاء، ہر عضو "اناالحق" کی صدا سے لبریز تھا۔ جب اتنی تکلیف پہنچا کر بھی حامد کے غرور کو قرار نہ آیا تو اس کے حکم سے حسین بن حلاج کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔ آہ ونالہ سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی، فضا بوجھل اور شہر اداس، لوگ آہ وزاری کر رہے تھے۔ اسی لیے مصنفہ نے اس حصے کا نام "زمزمہ موت" رکھا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کے فقہاء نے وزیر مملکت کے رعب سے مرعوب ہو کر حسین ابن منصور کی موت کے فتوے پر مہریں ثبت کر دیں۔ یوں موت کا کھیل رچایا گیا تو کئی صدیوں کو خون سے رنگین کر گیا۔ ہستی کا کاروان صدائے ساز اور نغمہ شوق سے لبریز ہو کر زمزمہ موت سے ہم آغوش ہوتا ہے جمیلہ ہاشمی نے رومانی انداز میں یہ سارا قصہ بیان کیا ہے۔

"ناول کے عنوان میں ایک اضافی لفظ "غنائیہ کا استعمال ملتا ہے غنائیہ تکنیک موسیقیت اور شعریت سے بھرپور ہوتی ہے۔ یہ تکنیک کسی جذبے اور کیفیت کو شدت کے ساتھ پیش کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس لیے غنائیہ طرز اسلوب پورے ناول کو رومانی بنا دیتا ہے۔"(۷)

غنائیہ تکنیک کو عشق مزرع گلاب ہے، عشق مزرع زندگی ہے، از پئے جاناں جاں ہم رفت اور جاں ہم رفت وجاں ہم رفت، جیسے منظوم اقوال مزید پر اثر بناتے ہیں۔

جمیلہ ہاشمی نے حسین ابن منصور کی کہانی ایران کے تہذیبی وثقافتی پس منظر میں اتنی خوبصورتی سے بیان کی ہے کہ قاری ان مناظر اور ماضی کے تابناک مظاہر میں کھو جاتا ہے۔ جہاں فضا صبح کے وقت آذانوں سے اور کاروانوں کی گھنٹیوں کی صداؤں سے معمور ہوتی ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

"مؤذن نے اپنی جگہ سنبھالنے کے لیے پہلی سیڑھی پر قدم دھرا، وضو خانوں میں پانی رواں ہونے کی صدائیں آئیں۔ کاروانوں کے سالار اونٹوں کو روکے رکھنے کا حکم دے کر ساربانوں کی معیت میں دالان در دالان اونچی چھتوں سے مزین صحنوں میں داخل ہوئے۔ لوگ درود وسلام میں منہمک ہوگئے۔ آذان کا جلال آسمانوں اور زمینوں پر منکشف ہوا۔"(۸)

ایران کی تہذیب مسجدوں، سراؤں، کاروانوں، درویشوں، داستان گوؤں اور مدرسوں سے مزین ہے۔ شاہراہیں آباد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں پڑی گھنٹیاں رات کے ہر حصے میں برابر سنائی دیتی ہیں۔ بعض اوقات درویشوں کی ٹولیاں بھی چغے پہنے ہوئے سرائے میں قیام کرتیں ہیں۔ یہ درویش عام لوگ نہیں تھے بلکہ یہ صوفیاء کا ایک گروہ تھا جو اپنی مستی میں خالق حقیقی سے لو لگائے ہوئے انسانوں کی بستیوں میں کبھی کبھار جاگزین ہوجاتے تھے۔

”درویشوں کی ایک ٹکڑی اپنے فرغلوں کو سنبھالتی، ہاتھوں سے کلاہ تھامے ایک انداز مستانہ سے چلتی، اپنے نعروں کے خروش کو اپنے سینوں میں دبائے ملحقہ خانقاہ سے آکر نمازیوں کی صفوں میں شامل ہوگئی۔ یہ غیاب وحضور کی کیفیت سے سرشار عجیب لوگ تھے کہ جب سجدے کے لیے جھکتے تو انہیں اٹھنے کا ہوش نہ رہتا۔ جب اٹھتے تو امام کی آواز سنائی دینے کے باوجود کھڑے رہتے۔ یہ کیسی نماز میں سرشار تھے؟“(۹)

یہ صوفیوں کی سرزمین تھی بہت ہی پہنچی ہوئی ہستیاں یہاں کی خاک پر بسیرا کیے ہوئے تھیں۔ یہ کلاہ پوش ہستیاں عشق مزرع زندگی، پرسوز لے میں لوگوں کو سناتیں۔ شعبان کی راتوں میں باغوں کی خوشبوؤں کے ساتھ درویشوں کا پرسوز کلام زمین والوں کے ساتھ ساتھ آسمان کو گویا مراقبہ میں دھکیل دیتا۔

ایران میں مسافروں کی آسائش کے لئے کاروان سرائے بھی قائم کی گئی تھیں۔ جمیلہ ہاشمی کاروان سرائے کے ماحول اس کے حقیقی پس منظر میں بیان کرتی ہیں:

"دونوں پھر قالین پر آن بیٹھے، باہر گردباد کی وجہ سے رات دھندلا گئی تھی اور دشت سوس پر مٹی اور ریت ملی ہوئی خوشبو کی طرح برس رہی تھی۔"(۱۰)

ایرانی معاشرت میں "قالین" زمانہ قدیم سے ہی اہم رہے ہیں. یہ لوگ قالین بافی میں بہت شہرت رکھتے تھے اور کاروان سرائے، مہمان خانے، محلات کے فروش پر قالین ضرور بچھائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

دست کاریوں اور ہنر مندیوں میں بھی ایرانی اپنے فن کالوہا منوائے ہوئے تھے۔ دنیا ایرانی تہذیب و ثقافت کی پیروی شوق سے کرتی تھی۔ ایرانی فضائیں باغوں اور خوشبوؤں سے بھی مہکتی تھیں اور "دشت سوس" کی ریت اور گرد باد بھی لوگوں کے ذہنوں اور قلوب پر اثر انداز ہوتی تھی۔ بعض اوقات دشت کی یہ تشنگی روح کی تشنگی بڑھا دیتی تھی۔ "آگ" اس ثقافت میں ابھی بھی اہمیت کی حامل تھی۔ کچھ لوگ آگ کی پرستش پر اسلام کے عروج کے بعد بھی قائم تھے۔ ان میں منصور کے والد "محمی" بھی تھے جو زرتشت تھے۔ یہ مذہب ایران کا قدیم ترین مذہب تھا۔ جو ابھی تک لوگوں کی ارواح پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔

"یہ آتش جو بیج کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے اور گرمی حیات میں ہر شے کے اندر سرایت کرتی ہے اس کی نمو کا سبب بنتی ہے۔ اہرمن ویزداں کے اس کھیل میں جسے دنیا کہتے ہیں ایک مسلسل دوڑ جاری تھی۔"(۱۱)

"آگ" اس ثقافت میں ایک مقدس چیز تھی۔ "زرتشی" عقیدے کے مطابق صانع کوئی اکیلا نہیں تھا بلکہ یہ مختلف ہستیاں تھیں۔ روشنی اور اچھائی کا خدا الگ تھا۔ اور تاریکی اور برائی کا خدا الگ۔ اچھائی اور روشنی کا خالق "یزداں" اور برائی و تاریکی کا پیدا کرنے والا "اہرمن" کہلاتا تھا۔

"محمی" آتش پرست تھا لیکن اس کا بیٹا منصور ایمان لا چکا تھا۔ حسین اپنے باپ کے دین کا پیروکار تھا لیکن وہ دادا کے دین کی بھی عزت کرتا تھا۔ حسین جب بغداد سے واپس آیا تو وہ سرائے میں اپنے دادا کے آتش کدے کے پاس کھڑا ہو کر ان کی کوشبو کو محسوس کرتا۔ وہ دادا کی چیزوں کو محبوب رکھتا اور ان کی عزت کرتا۔ وہ باپ کو "محمی" کے زرتشت مذہب کے آثار مٹانے سے روکتا۔

".میں اس قطیعت کے خلاف ہوں وہ دادا کا مسلک تھا۔ یہ سرائے ان کی ہے یہ ان کا مسلک و مولد ہے۔ آثار مٹا دینے سے چیزیں مٹ نہیں جایا کرتیں۔ دلوں میں زندہ رہتی ہیں۔ ہم اپنی رگوں سے کیسے الٹ دیں گے، ہم ان امانتوں کو بہتر صورت تو دے سکتے ہیں، جھٹلا نہیں سکتے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔" سارے مذاہب خدا کی عظمت و بزرگی پر دلالت کرتے اور گواہی دیتے ہیں آگ خدا کی ایک عظمت ہے۔" "(۱۲)

حسین دین اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کے باوجود اپنے ماضی سے رشتہ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ اپنے دادا کا مذہب اسے دادا کی طرح ہی عزیز تھا لیکن وہ عام لوگوں کی طرح مذہب کے معاملے میں تنگ نظر نہیں

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

تھا۔ وہ لگی بندھی تہذیب اور مذہب کے خلاف تھا۔ جہاں ضابطوں کی پاس داری میں انسان محض ایک عمل اور عقیدہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ حسین "محمی" کے آتش کدے کو اس کی یاد میں دوبارہ فروزاں کرتا ہے۔ یہ آتش کدہ زرتشتی ثقافت کی علامت تھا۔

ناول میں جہاں ایران کی سماجی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو پیش کیا گیا ہے وہیں اس عہد کی سیاسی صورتحال اور انتشار بھی دکھائی دیتا ہے۔ سلطنت عباسیہ ناول کے پس منظر میں موجود ہے۔ یہ بہت وسیع سلطنت تھی ایران بھی اسی کے ماتحت تھا لیکن اس کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ مسلمانوں میں بہت سے فرقے اور باطنی عقائد اپنی جگہ بنا چکے تھے۔

ان میں ایک فرقہ "معتزلہ" تھا جس کے بانی واصل ابن عطا تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سبھی چیزوں کی افہام و تفہیم کے لیے عقل کا استعمال ضروری ہے۔ ارسطو کے نظریے کا قائل یہ فرقہ پوری طرح عباسی سلطنت کے خون میں رچ بس چکا تھا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ اس فرقے کو ختم کرنے میں کوشاں رہا۔ لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کی سازش میں اس کی بیوی اور بیٹے بھی شامل تھے۔

> "دنیا شورشوں سے پر ہو گئی تھی۔ ہمیشہ سے تھی۔ نئے فتنے پرانے رنگوں کے لبادے اوڑھ کر سر اٹھاتے تھے۔ قرامطہ اور معتزلہ اور صاحب الزنج وہ اسلام میں موشگافیاں کرتے تھے اور دنیا کی محبت میں دیوانے تھے۔ انہوں نے نئی شریعتیں رواج دی تھیں اور نئے فلسفے تعمیر کیے تھے۔"(۱۳)

یہ فتنہ پرور مال و دولت کے رسیا تھے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے نئے نئے مذاہب ایجاد کر رہے تھے۔ یہ لوگ قرآن کا جواب لکھتے اور خدا کو اس کے کلام میں نعوذ باللہ شکست دینا چاہتے تھے۔ یہ لوگ ہزاروں سادہ لوح لوگوں کی گمراہی اور موت کا سبب بنے۔ علمائے اکرام ان کے جال میں پھنسے۔ یہ لوگ آسان اور سہل العصول جنت کے خواب دکھاتے۔ یہاں تک کہ جھوٹے مدعیان نبوت بھی اس دور میں پیدا ہوئے جو اپنے آپ کو اہل بیت میں سے کہتے تھے۔

نبوت کا دعویدار شاعر تھا اور اس نے اپنا کلام حواشی اور زوائد کے ساتھ بما تاویلات اور تفسیر، اپنے اقوال و اعتقادات کی صورت میں جمع کر رکھا تھا۔ اس لحاظ سے لوگ اس پر لعنت کے علاوہ مذاق بھی اڑاتے کہ اس طرح تو ایران کی نصف آبادی پیغمبری کا دعوی کر سکتی ہے۔ کیونکہ ایران کی تہذیب و ثقافت میں شعراء اور ان کا کلام

بہت دخیل تھا۔ اسلامی سرزمینوں میں ان فتنوں کے علاوہ عیسائی اور یہودی بھی اپنے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے کوشاں تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنی عورتوں کو بھی استعمال کرتے تھے۔ اغول جو ایک نسطوری باندی تھی وہ بھی اسی مقصد کے لیے ہی فروخت کی گئی تھی۔ یہ عیسائی لڑکیاں امیر تاجروں کو فروخت کی جاتیں تاکہ مسلم خون میں ملاوٹ پیدا ہو سکے اور آئندہ آنے والی نسلیں کمزور ایمان کی حامل ہوں۔ ایسا کرنا ان کے لیے ثواب کا حامل ہوتا۔

"دشت سوس" میں دکھائی جانے والی ایرانی تہذیب و ثقافت کے مطابق ایرانی لوگ کاروباری پیشہ ہیں، مہمان نواز اور اپنے مذہب وعقیدے اور تاریخ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ تجارتی قافلے ارد گرد کے ممالک سے سامان تجارت لے کر آتے ہیں۔ سوداگر یہاں کے لوگوں سے برادرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ملک میں مختلف فتنے بھی سر اٹھا رہے ہیں۔ جو خاص طور پر مذہب اسلام سے متعلق ہیں۔ حسین کا والد بھی ریشم کے کاروبار سے منسلک ہے جو تجارت کی غرض سے مختلف ممالک کے اسفار بھی اختیار کرتا ہے۔ تاجروں کے قافلوں کی گھنٹیاں ماحول میں ایک خوبصورت تاثر گھولتی ہیں۔ باغوں اور پھولوں کی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ "دشت سوس" بھی ایرانی فضا پر مسلط ہے۔ لوگ فنجانوں میں سے جرعہ جرعہ قہوہ پیتے ہیں اور داستان گویوؤں یا شاعروں کے کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس فضا میں کلاہ پوش لمبے چغوں والے درویش بھی ہیں۔ جو یکلخت ہوا میں غائب بھی ہو سکتے ہیں۔ عام انسانی عقل اس معمے کو پانے سے قاصر ہے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمیلہ ہاشمی نے خوبصورت اسلوب کے ساتھ دلکش تشبیہات اور حسین جملوں کا استعمال کرتے ہوئے ایرانی تہذیبی وثقافتی مناظر کو پیش کیا ہے اور بیانیہ انداز اختیار کرتے ہوئے ٹھوس تاریخی حقائق کو اسی عہد کے پس منظر میں نہایت ہنر مندی سے بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اکبر شاہ نجیب آبادی، مولانا، تاریخ اسلام، جلد اوّل، دہلی: تاج کمپنی، ۱۹۹۲ء، ص ۷۷

۲۔ فہمیدہ ریاض، قلعہ فراموشی، کراچی: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۷ء، ص ۲

۳۔ ایضاً، ص ۷

۴۔ ایضاً، ص ۴۹

۵۔ ایضاً، ص ۲۸

۶۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۴۹۷

۷۔ شمع افروز، جمیلہ ہاشمی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی اُردو، مخزونہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء، ص۶۸

۸۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، ص۷

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ص۱۴

۱۱۔ ایضاً، ص۲۴

۱۲۔ ایضاً، ص۱۰۵

۱۳۔ ایضاً، ص۱۹